© rasailojaraid.com

جناب ابوسلمان شاہجہانپوری

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک ترجمان

پروفیسر محمد سرور جامعی

۱

سنہ ۱۹۶۳ء کا کوئی ابتدائی مہینہ تھا جب پروفیسر محمد سرور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ غائبانہ تعارف، مولانا عبید اللہ سندھیؒ مرحوم پر ان کے کام کی وجہ سے چند سال پیشتر سے تھا۔ مولانا سندھی مرحوم کے محقق، شارح اور مصنف کی حیثیت میں مجھے ان سے عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔ سرور صاحب سے جس زمانے میں ملاقات ہوئی وہ میری ادبی زندگی کی بالکل ابتدا تھی۔ انھوں نے اس وقت ایک طالب علم اور اپنی کتابوں کا قاری سمجھ کر جو شفقت فرمائی تھی، ان بارہ تیرہ برسوں میں اس میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس دوران میں ان کی محبت اور شفقت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اسی طرح میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میری عقیدت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ پہلے ان سے عقیدت کی وجہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم تھے بعد میں ان کے علم و فضل، مطالعہ و نظر، ان کی سلامت روی، شرافت، وضع داری اور فکر و سیرت کے بے شمار محاسن نے بھی متاثر کیا۔ اور ان کی یہ خوبیاں میری عقیدت میں اضافے کا باعث ہوئیں۔ اس طرح سرور صاحب کی شخصیت انکی علمی خدمات اور ان کے افکار میرے مطالعے کا موضوع بن گئے۔ میں نے کھلے دل سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن اس حیثیت سے کہ یہ ایک عالم، ایک مصنف، ایک ادیب کا مطالعہ اور کاوشِ نظر ہیں ان میں علم و فکر کے انمول موتی ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کو حرفِ آخر کی حیثیت حاصل نہیں۔ میں نے ان سے محبت کی لیکن انھیں قرنِ اول کا مسلمان نہیں سمجھا۔ میرے نزدیک ایک مسلمان کی مثالی زندگی کے حامل نہیں لیکن مجھے ان کے ایمان و عقائد کے بارے میں بھی کبھی شبہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زندگی میں عمل کی کوتاہیوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے لیکن انکار و الحاد کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ ممکن ہے وہ کسی رسم یا روایت کو اسلامی زندگی اور اسلامی معتقدات میں شامل نہ سمجھتے ہوں لیکن وہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایمان اور عمل صالح کی اہمیت کے اندازہ شناس ہیں۔ پچھلے تیرہ برس میں اگر میں نے ان کی تمام تحریریں نہیں پڑھیں تو بیشتر تحریروں کے مطالعے کا دعویٰ ضرور کرسکتا ہوں۔ پھر ان سے سفر و حضر میں ملاقاتیں ہوئیں اور میں نے کھلی آنکھوں سے ان کی زندگی کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ میری ان صاحبوں سے واقفیت بھی ہے اور بعض سے راہ و رسم بھی رہی ہے جو سرور صاحب کی بے دینی پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ سرور صاحب ان تمام باتوں سے بے نیاز ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کا کوئی عزیز یا نیاز مند جدید مفکرین اسلام اور صلحاء کی ان باتوں کا برا مانے۔ آخر ان حضرات نے سرور صاحب کے مرشد اور استاذ مولانا سندھی علیہ الرحمہ کے ایمان ہی کو کب تسلیم کیا ہے ان پر بے دینی کفر اور الحاد و فسق کا کونسا الزام نہیں لگایا گیا۔ ستمبر ۱۹۴۴ء میں معارف (اعظم گڑھ) میں ایک نہایت اشتعال انگیز مضمون ان حضرات کی رائے و فکر کا مظہر ہے۔ اس طبقۂ صلحا کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد طاغوت کے معاون تھے، ان کی جگہ اسلام کے دائرے سے باہر قرار پائی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم "اگلے وقتوں کے یہ ہیں لوگ انھیں کچھ نہ کہو" کی نشانی۔ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا احمد علی لاہوری ان کے نزدیک گردن زدنی و کشتنی۔ عام علماء ان کے خیال میں اسلام کی روح سے نا آشنا، "اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً" سے دور اور سیاست کی ابجد سے بے خبر حتی کہ میونسپلٹی کے قواعد و مسائل تک سے لاعلم۔ مولانا امین احسن اصلاحی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا سلطان احمد وغیرہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف کے باعث حسن، شرافت وغیرہ کے قابل نفرین ناموں اور کرداروں کے مستحق قرار دیئے گئے۔ وہ اسلام کے مزاج اور دعوت اسلامی کے تقاضوں سے نہ صرف بے شعور بلکہ ان سے روگردانی اور اپنی چھوٹی چھوٹی شخصیتوں کے پیچ و خم میں مبتلا نظر آئیں جن کے قلموں کی تیزی اور جوش مخالفت کے آگے حضرت عثمانؓ سے لے کر موجودہ زمانے کے اکابر تک کسی کا ایمان، عزت اور لیاقت محفوظ نہ رہی ہو اگر انھوں نے سرور صاحب کے ایمان کی تصدیق نہ کی تو اس میں تعجب اور حیرت کی کیا بات ہے۔ اس مکتبۂ فکر سے سرور صاحب کو ایمان کا صداقت نامہ اور اسلام سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ کیوں کر مل سکتا ہے؟

اپنے اس مطالعے اور مشاہدے کے بعد میری رائے ہے کہ سرور صاحب ایک سیدھے سادھے مسلمان اور ایک شریف انسان ہیں اور اتنے کہ وقت اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان کی شرافت نے بعض لوگوں کو ان پر قلم فرسائی کی جرأت دلائی ہے۔ ان کی شرافت نفسی اور تعلقات میں وضع داری کی اسپرٹ سے بعض نام نہاد اہل قلم نے ہمیشہ ان سے علم کا استحصال کیا اور ان کے مال تصنیف و تالیف سے خود فائدہ اٹھایا اور سرور صاحب کے مفاد میں وہ اپنے قلم کو جنبش بھی نہ دے سکے۔

خاندان و تعلیم

سرور صاحب پنجاب میں ضلع گجرات کے ایک دور افتادہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہ بیسویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی کا تقریباً وسط تھا۔ وہ کسی امیر خاندان کے فرد نہیں ہیں۔ لیکن ان کا خاندان اپنی باعزت زندگی کے لیے کسی کا محتاج بھی نہ تھا۔ پانچویں جماعت تک گاؤں کے اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر گجرات کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل ہو گئے۔ یہ اسکول مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے تحریک کے دوسرے مقامی رہنماؤں کے تعاون سے قائم کیا تھا۔

اساتذہ

اس اسکول کے استاذوں میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے بعد میں مدینہ بجنور کے ایڈیٹر اور ایک کانگریسی اور قوم پرور صحافی کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی میں شرکت کے بعد وہ جماعت اسلامی کے ترجمان صحافی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کے استاذوں میں دوسری نامور ہستی ملک حسن علی کی تھی۔ ملک صاحب علمی حلقوں میں مجدد الف ثانی پر اپنے کام اور مشاہد التوحید کی عظیم الشان تصنیف کی وجہ سے معروف و مشہور ہستی ہیں۔ سرور صاحب نے اپنے استادوں میں گجرات کے ایک اور بزرگ مولوی فیض میراں صاحب کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض استادان سے حضرت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظیم الشان تصنیف حجۃ اللہ البالغہ پڑھا کرتے تھے۔ سرور صاحب ان سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

سرور صاحب کے افکار کی تاریخ مولوی فیض میراں، ملک حسن اور مولانا نصر اللہ خاں عزیز کی شاگردی سے شروع ہوتی ہے۔

جامعہ ملیہ میں داخلہ

۱۹۲۳ء میں آزاد مسلم ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد وہ علی گڑھ جا کر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں داخل ہو گئے۔ جامعہ ملیہ اس وقت تک دہلی منتقل نہیں ہوئی تھی۔ جامعہ ملیہ ۱۹۲۰ء میں ترکِ موالات کی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد علیگڑھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا۔ جامعہ ملیہ مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کی ایک علامت تھی اور برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی علمی و فکری اور تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ برصغیر کی علمی اور تہذیبی و ثقافتی زندگی پر اس کے رہنماؤں اور اس کے فرزندوں نے نہایت روشن نقوش ثبت کیے ہیں۔

۱۹۲۵ء میں جامعہ علی گڑھ سے دہلی منتقل ہوئی۔ سرور صاحب جس زمانے میں دہلی پہنچے تو اگرچہ تحریک ترکِ موالات اور تحریک خلافت کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن راکھ میں دبی ہوئی کچھ چنگاریاں ابھی باقی تھیں۔ برٹش حکومت کے خلاف نفرت اور حریت طلبی کا چولہا جن احرارِ اسلام اور زعمائے ہند نے روشن کیا تھا اس سے زندہ تھے اور جامعہ ملیہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سب کا بہت قریبی تعلق تھا۔ حکیم محمد اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، فضل الحسن حسرت موہانی، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے مسلمان اور ہندو اکابر جامعہ میں آتے رہتے تھے۔ جامعہ کے ایک ہوشیار اور ذہین طالب کی حیثیت سے سرور صاحب کو ان حضرات کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔

جامعہ کے استاد

اس زمانے میں ان کے اساتذہ میں مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی اور ڈاکٹر محمد علی شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم مولانا ابوالکلام سے نسبت، ان کی تحریک حزب اللہ سے وابستگی، مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے استفادے، برسہا برس تک جامعہ ملیہ میں شعبہ اسلامیات کی صدارت اور قیام پاکستان کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں درس و تدریس کے مشغلے اور قرآن حکیم کی تعلیم و تفسیر کے ذوق و شغف کی بنا پر علمی اور دینی و تعلیمی حلقوں کی معروف شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی شاہ مرحوم جس پائے کے عالم تھے اس کے مطابق انھیں اردو کی علمی دنیا میں شہرت نہیں ملی۔ ڈاکٹر صاحب سندھ سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا سندھی مرحوم کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور انھیں کے فیضان تعلیم و صحبت نے انھیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا گرویدہ اور محقق بنا دیا تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ سے انھیں خاص شغف تھا اور وہ جامعہ ملیہ میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔

جامعہ کے استاذوں میں ایک نامور ہستی مولانا محمد سورتی کی تھی جو اپنے وقت میں عربی زبان کے بڑے ماہر اور عربی ادب کے بلند پایہ بے نظیر عالم و محقق، علم کے سچے عاشق اور قدیم اسلامی تصنیفات کی علمی حیثیت کے اندازہ شناس تھے۔ مسلکاً اہل حدیث اور نہایت متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ وہ اگرچہ ایک قدامت پسند عالم سمجھے جاتے تھے لیکن عربی زبان و ادب میں ان کا پایہ عربی کے کسی امام و نقاد وقت سے کم نہ تھا۔ سرور صاحب نے ان سے چار سال تک عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سرور صاحب نے اپنی کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی" میں اور "شخصیات" میں ان کے علمی فضل اور حسن سیرت و فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تذکرہ نہایت عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔

تعلیم سے فراغت

جامعہ کے علمی ماحول، سیاسی فضا اور قدیم و جدید علوم و افکار کے ماہرین اور بزرگوں کی صحبت نے سرور صاحب کی زندگی اور ان کے افکار کی ترتیب میں خاص حصہ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں انھوں نے بی۔ اے آنرز (عربی) کا امتحان پاس کیا اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "ہمدرد" سے وابستہ ہوگئے۔ "ہمدرد" سے ان کا تعلق صرف چند ماہ رہا۔ مولانا محمد علی اس وقت علاج کی غرض سے یورپ گئے ہوئے تھے۔ جب وہ یورپ سے لوٹ آئے تو سرور صاحب جامعہ میں آگئے اور اس کے تدریسی عملے سے وابستہ ہوگئے۔

مصر کا تعلیمی سفر

۱۹۳۰ء میں انھیں مصر جانے اور جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ جامعہ ازہر میں تعلیمی مصروفیات کے ساتھ انھوں نے جامعہ مصریہ کے بعض پروفیسروں سے بھی استفادہ کیا۔ اور ایک مدت تک ان کے لیکچروں میں شریک ہوتے رہے ہیں انھیں ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور احمد امین کے لیکچر سننے کا موقعہ ملا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور احمد امین اپنی روشن خیالی، ترقی پسندی، آزادانہ نقطۂ نظر اور تجدد پسندانہ خیالات کے لیے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ سرور صاحب نے کھلے ذہن و دماغ سے ان کے خیالات کو سُنا اور ان کے بعض علمی افکار سے متاثر بھی ہوئے۔ جامعہ ازہر میں تعلیم اور اہلِ علم کے لیکچروں میں شرکت کے علاوہ اسلامی اور علمی و فکری موضوعات پر کتب و رسائل کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ اس زمانے میں قاہرہ سے ایک بلند پایہ علمی، سیاسی ہفت روزہ السیاسۃ نکلتا تھا، جس میں اس زمانے کے صفِ اوّل کے لکھنے والوں کے مضامین چھپتے تھے۔ سیاسی و علمی حلقوں میں یہ ہفت روزہ بہت مقبول تھا۔ اس کے بلند پایہ علمی، فکری اور ادبی مضامین نے سرور صاحب کے ادبی ذوق ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ ان کے رجعت پسندانہ مزاج اور قدامت پرست فکر اور نقطۂ نظر کو بھی متاثر کیا۔ السیاسۃ کے ایڈیٹر مصر کے مشہور مفکر محمد حسنین ہیکل تھے۔ جو اپنی فکر و نظر اور علم و مطالعہ کی وجہ سے پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمِ اسلام میں مشہور رہیں۔ ان کی مشہور کتاب "حیاۃ محمد" کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے برصغیر پاک و ہند میں اردو ادب اور اسلامیات کا کوئی طالب علم ایسا نہیں ہو سکتا جس نے ہیکل کا نام نہ سنا ہو۔ سرور صاحب نے مصر کے تعلیمی، تہذیبی، سماجی اور معاشرتی حالات اور اس کی اچھائیوں، برائیوں کو بہت قریب سے بلکہ ان میں رہ کر، ان کا علمی زندگی میں مشاہدہ کر کے اور کتابوں اور جریدوں کے حروف و سواد کے آئینے میں دیکھا انھوں نے مصر پر انگریزوں کے جبر و استبداد کو بھی دیکھا اور مصریوں کی سیاسی زندگی کے انتشار، پس ماندگی اور ذلّت و بے یقینی کی حالت کو بھی دیکھا۔ چونکہ وہ اپنے پہلو میں ایک حسّاس دل رکھتے تھے اور اخّاذ طبیعت کے مالک تھے اس لئے ممکن نہ تھا کہ یہ مطالعہ اور مشاہدہ ان کے ذہن و دماغ پر اپنے کچھ اثرات نہ چھوڑ جاتا۔

عالمِ اسلام کی سیاحت

مصر میں ساڑھے تین سال قیام کرنے کے بعد ستمبر ۱۹۳۳ء میں وطن واپس آئے۔ واپسی کا سفر خشکی کے راستے سے ہوا تھا۔ ایک نہایت ذہین اور بہت تیز اندو نیشی طالب شریکِ سفر تھا۔ اس کے ساتھ قاہرہ سے بیت المقدس گئے۔ تل ابیب اور دوسری یہودی بستیاں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ شام اور لبنان میں چند دن رہے۔ عراق پہنچے اور دس روز بغداد میں گزارے۔ ان ممالک کی سیاحت کرنے، حالات دیکھنے اور وہاں کے اہلِ علم اور اصحابِ جرائد سے ملتے ہوئے آئے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور افادات و ملفوظات میں انھوں نے مصر میں اپنے مطالعے اور مشاہدے کے تأثرات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

زمیندار اور جامعہ ملیہ

وطن واپس آنے کے بعد ابتداءً آٹھ ماہ تک مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے اخبار زمیندار کے شعبۂ ادارت سے وابستہ رہے۔ پھر وہ جامعہ ملیہ دہلی چلے گئے۔ سرور صاحب وہیں تھے کہ ۱۹۳۵ء میں سید ہاشمی فریدآبادی صاحب مرحوم جامعہ ملیہ دہلی پہنچے اور ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ کو بتایا کہ وہ اس سال حج کو گئے تھے، وہاں مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی، انھوں نے پیغام بھیجا ہے کہ

"کیا معلوم مجھے ساری عمر یہیں رہنا پڑے اور وطن میں واپس نہ آسکوں

اس لیے اگر جامعہ سے کوئی آجائے اور مجھ سے کچھ پڑھ لے تو کیا ہی اچھا ہو"

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس بات سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے جامعہ کے اساتذہ پر نظر ڈالی تو سرور صاحب اس خدمت کے لئے بہت موزوں نظر آئے۔

سرور صاحب کی حجاز روانگی

سرور صاحب کو اس وقت تک ہمدرد اور زمیندار اخبارات میں کام کرنے مضامین محمد علی کی ترتیب اور علمی و ادبی و تعلیمی جرائد میں مضمون نگاری کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی مشق ہو چکی تھی اور اپنے وسیع مطالعہ اور مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے سفر کی وجہ سے ان کے دماغ میں یہ صلاحیت پوری طرح پیدا ہو چکی تھی کہ وہ مولانا سندھیؒ کی روشن خیالی، تلخ تجربات اور انقلابی افکار کے متحمل ہو سکیں اور ان کے علمی تحقیقی اور ترقی پسندانہ خیالات کو سمجھ کر منضبط بھی کر سکیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے انھیں حکم دیا کہ وہ فوراً حجاز پہنچ کر مولانا سندھیؒ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ سرور صاحب دہلی سے بمبئی اور بمبئی سے پانی کے جہاز کے ذریعے جدہ روانہ ہو گئے اور جنوری ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

مولانا سندھیؒ کی وطن واپسی

جنوری ۱۹۳۷ء میں جب حج کے موقعہ پر ہاشمی فرید آبادی سے مولانا سندھیؒ مرحوم کی ملاقات ہوئی تھی تو اس بات کا سان گمان بھی نہ تھا کہ اب وہ زندگی میں وطن واپس لوٹ سکیں گے۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کو پیغام بھیجا تھا کہ کسی استاد کو ان کے پاس بھیج دیں لیکن اسی سال کے دوران میں جب کہ ہندوستان کے بیشتر صوبہ میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں تو مولانا سندھیؒ کی جلاوطنی کے خاتمے کی تحریک پھر اٹھی۔ پنجاب سے مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے "انقلاب" کے ذریعے خاص طور پر اس مسئلے کو اٹھایا۔ مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم بھی ایک مدت سے ان کی واپسی کے لئے ساعی تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمعیت علمائے ہند نے اس تحریک کی قیادت کی۔ شخصی طور پر بعض مسلم لیگی رہنماؤں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ سر عبداللہ ہارون نے خاص طور دلچسپی لی۔ آخرکار معاملہ کسی صوبے کی گورنمنٹ کی ضمانت پر آکر رکا۔ یہ رکاوٹ خان بہادر اللہ بخش شہید وزیر اعلیٰ صوبہ سندھ نے دور کر دی۔ ۱۹۳۸ء کے آخر تک وطن واپس آنے کی پابندی ختم کر دی گئی۔ اور اس وقت تک سرور صاحب مولانا سندھیؒ کی خدمت میں پہنچیں انھیں نہ صرف جلاوطنی کے خاتمے کی اطلاع دی جا چکی تھی بلکہ یکم جنوری ۱۹۳۹ء کو انھیں وطن واپس آنے کے لئے پاسپورٹ بھی دے دیا گیا تھا۔ اس لئے حجاز میں سرور صاحب کو مولانا سندھیؒ کی صحبت میں ایک ماہ بیٹھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا کہ مولانا سندھیؒ وطن واپس آ گئے۔ ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو تقریباً چوبیس سال کی جلاوطنی کے بعد مولانا سندھیؒ وطن تشریف لائے۔ سرور صاحب نے ارادہ کیا تھا وہ حجاز سے مزید مطالعہ و تحقیق کے لئے سوربرن (پیرس یونیورسٹی) چلے جائیں لیکن مولانا سندھی سے مشورے کے بعد انھوں نے رائے بدل دی اور مولانا کے ساتھ لوٹ آئے۔ اور اگرچہ مستقل قیام ان کا جامعہ ملّیہ دہلی میں رہا لیکن وہ متعدد سفروں میں بھی مولانا کے ساتھ رہے اور دہلی اور لاہور کے دوران قیام میں تو شب و روز کا بیشتر وقت ان کا مولانا سندھی مرحوم کی خدمت میں گزرا۔

احسان سے وابستگی

۱۹۴۲ء میں وہ جامعہ سے رخصت لے کر لاہور آ گئے تاکہ اپنے صوبے میں لکھنے پڑھنے کے ذریعہ کوئی سیاسی کام کیا جائے۔ وہ روزنامہ **احسان** کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اس زمانے میں صحافت سے تعلق کی وجہ سے انھوں نے ملک کے سیاسی نشیب و فراز کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کا مطالعہ ظاہری خبروں تک ہی نہ رہا بلکہ ذاتی مفاد کے ٹکراؤ اور جوڑ توڑ، اندرونی سیاسی کشمکش سے بھی واقف ہونے کا انھیں موقعہ ملا۔ خصوصاً پنجاب کی سیاست اور حالات درون پردہ کے تو وہ رازدار بن گئے۔ سرور صاحب لکھتے ہیں:

> میرے ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء کے سال لاہور میں گزرے۔ اس دوران میں صحافت اور بعض صحافی دوستوں سے تعلق کی وجہ سے سر سکندر حیات خاں اور قائد اعظم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اندر ہی اندر جو کشمکش رہتی تھی اس کی تفصیلات کا مجھے کافی علم ہے۔ لیکن ان مباحث پر قلم اٹھانے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ مولوی فضل الحق نے تو بعد میں قائد اعظم کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ کر دیا تھا اور اس ضمن میں انھوں نے جو بیانات دیئے تھے وہ اتنے سخت تھے کہ انھیں آج چھاپنا مشکل ہو گا۔"

احسان سے وہ تقریباً دس ماہ وابستہ رہے تھے۔ اس دوران میں انھوں نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اس کا تذکرہ اختصار کے ساتھ انھوں نے "افادات و ملفوظاتِ مولانا عبید اللہ سندھی" کے پیش لفظ میں کیا ہے۔

قیام پاکستان

۱۹۴۳ء میں وہ پھر جامعہ ملیہ چلے گئے اور یہ وابستگی ۱۹۴۷ء تک رہی۔ انھیں جامعہ اور اسلامی ہند کے مرکز دہلی سے دلی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ انھوں نے دہلی میں ایک مکان بھی بنا لیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ایک مہاجر کی طرح لٹ لٹا کر لاہور آ گئے اور اس وقت سے لے کر اب تک لاہور میں مقیم ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں روزنامہ امروز لاہور سے وہ منسلک ہو گئے پھر اپنے بعض دوستوں کے اشتراک سے ہفت روزہ آفاق نکالا۔ ۱۹۵۸ء میں وہ ایک ماہنامہ نکالنے کا سر و سامان کر رہے تھے، بلکہ ڈیکلریشن بھی لے لیا تھا کہ انھیں دنوں ایوب خان نے ملک کی زمام اقتدار سنبھالی اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ ملک کے حالات غیر یقینی ہو گئے اور اس وجہ سے ماہنامہ نکالنے کا خیال شرمندہ تکمیل نہ ہو سکا۔ مجبوراً آہنگِ حرم پشاور سے وابستہ ہو گئے۔ اس سے پہلے وہ کچھ مدت تک حکومت کے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ سے بھی وابستہ رہ چکے تھے۔

الرحیم حیدر آباد کی ادارت

۱۹۶۳ء میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد میں قائم ہوئی تو سرور صاحب کو اس کے علمی مجلہ ماہنامہ الرحیم کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا اور اوائل ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۴ء کے آخر تک وہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے وابستہ رہے۔ انھوں نے الرحیم کو نہایت سلیقے سے مرتب کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پاکستان کے بہترین علمی مجلوں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ انھوں نے نہ صرف خود اس میں بہترین مقالات لکھے بلکہ پاک و ہند کے بہترین لکھنے والوں کے تحقیقی مقالات اور علمی مضامین سے الرحیم کے صفحات کو ہم پایۂ برہان (دہلی) و معارف (اعظم گڑھ) کردیا۔

فکر و نظر کراچی و اسلام آباد

لیکن شیخ محمد اکرام مرحوم جو اس زمانے میں محکمہ اوقاف پاکستان کے ایڈمنسٹریٹر اور سرور صاحب کو شاہ ولی اللہ اکیڈمی میں لائے تھے، کسی اور محکمے میں تبدیل ہو گئے تو سرور صاحب بھی اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ہو گئے۔ انسٹی ٹیوٹ اس زمانے میں کراچی میں تھا۔ سرور صاحب کو یہاں بھی اس کے علمی مجلہ ماہنامہ فکر و نظر کی زمام ادارت سونپی گئی۔ ۱۹۷۰ء تک اس کی صدارت کی ذمہ داریوں کو انھوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ فکر و نظر کے علمی معیار اور کمال ترتیب و تہذیب کے لحاظ سے یہ اس کا بہترین دور تھا۔ اس سے پہلے اس کا کوئی علمی معیار اور انداز مقرر نہ ہو پایا تھا اور بعد میں وہ معیار برقرار نہ رہا۔ ۱۹۶۶ء میں انسٹی ٹیوٹ کراچی سے اسلام آباد منتقل ہو گیا اور اس کے ساتھ سرور صاحب بھی اسلام آباد چلے گئے۔ اسلام آباد کراچی کے مقابلے میں لاہور سے بہت نزدیک ہے۔ اس لئے سرور صاحب کو انسٹی ٹیوٹ کے انتقال مکانی سے خوشی ہوئی لیکن کراچی میں ان کے نیازمندوں کو اس کا غم بھی تھا کہ سرور صاحب سے ملاقات کی سہولت باقی نہیں رہی۔ اور ان کی دلچسپ صحبتوں سے محظوظ ہونے اور استفادہ کرنے کی مہلت ختم ہو گئی۔

المعارف لاہور کی ادارت

شیخ محمد اکرام صاحب سرکاری ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائرکٹر مقرر ہو چکے تھے۔ ان کا کام چونکہ کسی علمی ادارے میں ایک قابل اعتماد صاحب علم و قلم کے بغیر چل نہیں سکتا تھا، سرور صاحب کی شرافت و وضع داری اور ان کے علم و مطالعہ پر انھیں اعتماد تھا اس لئے انھوں نے کوشش کر کے سرور صاحب کو ماہنامہ ثقافت کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے ثقافت کا نام بدل کر المعارف کر دیا تھا! اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے ایڈیٹر رئیس احمد جعفری مرحوم تھے، جن کا اکتوبر ۱۹۶۸ء میں انتقال ہو چکا تھا اور یہ جگہ درحقیقت کسی اہل ایڈیٹر کی منتظر تھی۔ سرور صاحب کا تقرر اس کے لئے نہایت موزوں تھا۔ المعارف سے وہ تقریباً دو سال وابستہ رہے لیکن جیسی آزادی انھیں الرحیم کی ادارت میں تھی یہاں انھیں میسر نہ تھی۔ شیخ اکرام صاحب مرحوم قدم قدم پر ان کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ایک علمی ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود آفیسرانہ مزاج نہ بدل سکے۔ کچھ اور وجوہ کی بنا پر بھی اہلِ علم کا ایسا حلقہ نہیں بن سکا جس کا تعاون المعارف کو حاصل ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن ولولوں سے انھوں نے ثقافت کا نام تبدیل کر کے المعارف رکھا تھا اور قارئین کے دلوں کو گرمایا تھا وہ امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔ نہ تو وہ ایک محدود دائرے سے نکل سکا۔ نہ اس کی علمی سطح بلند ہو سکی اور نہ سرور صاحب ہی اس کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے، کر سکے۔

المعارف کی ایڈیٹری کے علاوہ اسی دو سال کے عرصے میں انھوں نے "ارمغانِ شاہ ولی اللہؒ" کے نام سے ایک نہایت مفید کتاب مرتب کی۔

موجودہ اوقاتِ فرصت

۱۹۷۱ء کی جولائی میں ان کا تعلق ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے ختم ہو گیا۔ اس وقت سے ان کا زیادہ تر وقت تصنیف و تالیف کے مشغلے میں بسر ہوا۔ افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی" ان کے انھیں اوقاتِ فرصت کا ثمر شیریں اور ان کی تالیفات میں شاہکار ہے۔

مولانا سندھی مرحوم سے انھیں بڑی عقیدت ہے۔ ان کے افکار و افادات کو تاریخِ افکار اسلامی کا وہ بہت بڑا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ ان کی تالیفات میں بیشتر تالیفات، مرتبات اور بلند پایہ مضامین مولانا سندھی مرحوم سے متعلق ہیں۔ مولانا سندھی مرحوم سے علمی و فکری تعلق کا نتیجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے علوم و افکار کو انھوں نے اپنے مطالعہ و نظر اور تحقیق و تصنیف کا موضوع بنایا۔

(مسلسل)

© rasailojaraid.com